احسان دانش: شاعرِ مزدور

خضریٰ تبسم
ثوبیہ منظور
رخسانہ بی بی

Abstract:

Ehsan Danish has his own distinct identity in the literature of twentieth century folk and local poetry. That is why he is called the poet of labour. Ehsan Danish in his poems has fully reflected the lower class, especially the problems of the workers and their suffering and pains. A large part of his poetic themes are in opposition to the feudal system. But his poetic temperament differs from the point of view of the progressive movement. Ehsan Danish's protests and uprisings against capitalistic culture is the topic of this article.

اُردو نظم کے ابتدائی تاریخی شواہد "کلیاتِ قلی قطب شاہ" سے دستیاب ہوتے ہیں۔ قلی قطب شاہ نے اپنے عہد میں جس انداز، ہئیت اور موضوعات کا انتخاب کیا اُس نے پوری اُردو شاعری میں مبادی حیثیت اختیار کر لی۔ معاصر نظم کے ابتدائی نقوش قلی قطب شاہ کے بعد واضح ترین اور بہترین انداز میں نظیر اکبر آبادی کے ہاں ملتے ہیں۔ جدید اُردو نظم کی تحریک کا نظیرؔ سے کوئی واسطہ نہیں البتہ نظیرؔ کے ہاں جن موضوعات نے جگہ پائی وہی موضوعات کسی نہ کسی صورت میں جدید نظم کا حصہ بن گئے۔ اس ضمن میں "انجمن پنجاب" کی تحریک سے لے کر رومانوی تحریک، بعد ازاں ترقی پسند تحریک اور حلقہ اربابِ ذوق کے پلیٹ فارم سے ہونے والی شاعری کا تعلق کسی نہ کسی صورت میں ایسے موضوعات سے رہا ہے جو نظیرؔ کے موضوعات تھے۔ ترقی پسند تحریک کی ابتدا بیسویں صدی کے چوتھے عشرے سے متعلق ہے اور ساتھ ہی ترقی پسند منشور کے مضمرات کے حوالے سے آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ ان آوازوں میں ایک نمایاں آواز احسانؔ دانش کی ہے۔ محمد توقیر طاہر گنگوہی "مقامات" میں سرباب کے عنوان سے رقم طراز ہیں۔

"میر انیس اور نظیر اکبر آبادی کے مطالعہ کے بعد احسان دانش پر ماحول کا جو اثر اصولی طور پر ہونا چاہیے تھا وہ تو ظاہر ہے مگر اس دور میں احسان دانش سے پہلے کوئی شاعر بھی اقبال اور جوش کی تقلید تو کجا گرد راہ کو بھی نہ پہنچ سکا تھا لیکن اس کے ذاتی جوہر اور فطری صلاحیتیں ایسی کارفرما ہوئیں کہ یہ ہندوستان بھر میں اپنے ہم عصر شعرا سے کٹ کر زمانے کی رفتار و مشکلات پر مسکراتا ہوا اپنے پیشروؤں کی صف میں جاملا اور اس مردانہ روح سے کہ پرواز میں کوئی گرفت اس کے دامن اور کوئی حادثات کی دیوار اس کے تلوؤں کو آلودہ نہ کر سکی۔"1ے

اُردو شاعری کی تاریخ میں احسانؔ دانش دوسرا شاعر ہے جسے نچلے طبقے کے شاعر کے طور پر جانا جاتا ہے۔ اس تناظر میں پہلا نام عوامی شاعر "نظیر اکبر آبادی" کا ہے۔ شاعرِ مزدور کا خطاب "احسان دانش" کے حسبِ حال ہے۔ احسان نے اپنے والد کو نہر جمن شرقی میں کھدوائی کروانے والے ٹھیکیداروں کے ہاں مزدوری کرتے دیکھا۔ ان کی والدہ غربت کے باعث محلے کی عورتوں کے کپڑے سیا کرتیں اور پیسنے کے لیے اناج منگوا لیا کرتی تھیں۔ اوقات گھر میں سالن نہیں پکتا تھا تو احسان کی والدہ پانی میں روٹی بھگو کر خود بھی کھا لیتیں اور احسان کو بھی کھلاتیں۔ یعنی احسان مفلسی اور غریبی کے ماحول میں پروان چڑھے، بچپن میں مزدوری کرنے لگے، نہر کے ٹھیکیداروں کے ہاں مزدوری کی۔ اینٹیں ڈھوئیں۔ چوکیداری کی۔ باغبانی کی۔ شہر کے معماروں کے ساتھ مزدوری کی اور مثالی مزدور کہلائے۔ چوں کہ انھوں نے خود مزدوری کر کے پیٹ پالا اس لیے وہ مزدور طبقے کے حالات سے واقف تھے انھیں اس پورے طبقے کا دُکھ تھا کیوں کہ یہ طبقہ کئی دہائیوں سے عتاب کا شکار رہا ہے۔ محمد توقیر طاہر گنگوہی نوائے کارگر کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

"لاہور میں احسان نے مزدوری بھی کی اور معماری بھی۔ پہرہ داری بھی کی اور باغبانی بھی۔ لیکن اسے کبھی رات کو بارہ بجے سے پہلے اور صبح کو چار بجے کے بعد مصروف خواب نہیں دیکھا۔"2ے

مذکورہ بالا حالات و واقعات کی تفاصیل وہ بنیادی محرکات ہیں جن کے باعث احسان دانش کا اُس پسے ہوئے طبقے سے تعلق واضح ہوتا ہے جو کسی نہ کسی صورت میں یا کسی بھی وجہ سے استحصال زدہ ہے۔

احسان دانش اس لیے استحصال کے اُن بنیادی محرکات، وجوہات اور اسباب کو زیادہ اہمیت دیتا ہے جو اس معاشرتی تفاوت کا باعث ہیں۔

کارل مارکس نے بھی سماج میں موجود تاریخی طبقات کی کش مکش کو موضوع بنایا ہے۔ کارل مارکس کے مطابق تمام انسان طبقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اگر ایک گروہ آزاد ہے تو دوسرا اس کا غلام ہے۔ کوئی خاندانی امیر ہے اور کوئی عام غریب۔ ایک طبقہ معاشرے پر ظلم ڈھاتا ہے تو ظلم سہنے والا طبقہ محکوم کہلاتا ہے۔ اسی طبقاتی کش مکش کی وجہ سے مختلف ادوار میں انقلاب آتے رہے ہیں۔ زرعی انقلاب نے جاگیر دار طبقے کو مضبوط کر کے کسانوں کا استحصال شروع کر دیا۔ اسی طرح بادشاہ اور امرا اُجرت کے بدلے غلاموں سے جبری مشقت لیا کرتے تھے۔ استحصال کی یہی شکل سرمایہ دارانہ نظام کی صورت میں بھی سامنے آئی جس میں مزدوروں اور کسانوں کا استحصال کیا گیا۔ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والا باشعور فرد اس استحصالی نظام کے خلاف سراپا احتجاج رہا۔ بیسویں صدی میں انقلاب روس نے پوری دنیا کے حالات یکسر تبدیل کر دیے۔ 1917ء کے انقلاب کے بعد روس سے سرمایہ دارانہ نظام کا پوری طرح خاتمہ ہو گیا۔ اس انقلاب کے اثرات نہ صرف روس پر مرتب ہوئے بلکہ دنیا کے بیشتر ممالک کے سیاسی اور سماجی نظام پر بھی اس کا اثر محسوس کیا جانے لگا۔

روس کے انقلاب کی ایک تاریخی اہمیت بھی ہے کہ مارکس کے طبقاتی کش مکش کے نظریے کا پہلا کامیاب تجربہ اسی انقلاب کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اسی اثنا میں ادیبوں کو بھی خیال ہوا کہ ادب کا تعلق سماج کے ساتھ جوڑا جائے۔ اس مقصد کے لیے ترقی پسند تحریک کی بنیاد ڈالی گئی۔ اس انجمن کا منشور یہ طے پایا کہ خواص کی بجائے عوام کی بات کی جائے۔ فرقہ پرستی، استحصال، نسلی تعصب اور ہر قسم کے مظالم کے خلاف آواز اٹھائی جائے اور ادب کا تعلق زندگی اور سماج کے ساتھ جوڑا جائے۔ ایم نذیر احمد تشنہ لکھتے ہیں:

> "۔۔۔ اپریل 1936ء میں لکھنؤ میں ایک کل ہند کانفرنس ہوئی۔ اس پہلی کانفرنس کی صدارت اردو ہندی کے مشہور ادیب منشی پریم چند نے کی۔ اس کانفرنس میں منشور منظور ہوا۔ ادب میں نئے اسلوب، ہیئت اور موضوع کو اپنانے اور جدت کا ہم نوا بنانے اور ادیب کو آزادی، انسان دوستی، جبر، استحصال اور غلامی کے خلاف صف آرا کرنا اس تحریک کا مقصد قرار پایا۔[3]

ترقی پسند تحریک کا ظہور میں آنا کوئی نئی بات نہیں۔ انسان ترقی پسندی کے بغیر اپنی بقا کی جنگ نہیں لڑ سکتا۔ بیسویں صدی کے اولین عشروں میں اردو ادب جس سیاسی، سماجی، معاشی اور علمی ماحول سے گزر رہا تھا، اس نے ترقی پسندی کی فکر کو مزید ساز گار بنا دیا تھا۔ برطانوی سامراج اور ظلم و استبداد کے سبب ہر ذہن بغاوت کے لیے آمادہ تھا۔ اسی طرح ادب کا رشتہ سماج سے جوڑا گیا تو حقیقت نگاری کی بنیاد پڑی۔ ادب کو زندگی اور سماج سے جوڑا گیا۔ دراصل یہ کوئی نیا زاویہء نظر نہیں تھا اس سے پہلے عوامی مسائل، سماجی دشواریوں اور معاشی و طبقاتی ناہمواریوں کا احوال شعری ہمیں کہیں کہیں جعفر زٹلی پھر نظیر اور اس کے بعد احسان دانش کے ہاں واضح طور پر نظر آتا ہے۔

احسان دانش نے روایتی اندازِ سخن کے مطابق شاعری کی ابتدا غزل سے کی۔ غزل میں اُس کے معاصر شعرا میں شوقؔ قدوائی، صفیؔ لکھنوی، نظم طباؔطبائی، ظفرؔ علی خان، ناظر کاکوروی اور جوشؔ جیسے نام شامل ہیں۔ یہ تمام شعرا غزل کے ساتھ ساتھ نظم کے حوالے سے بھی بہت اہم ہیں کیونکہ اقبالؔ کی شاعری سے شعر و سخن کا جو نیا منظر نامہ ظہور میں آیا، اُس نے فلسفے کے ساتھ ساتھ سیاسی، سماجی، معاشرتی، تہذیبی، فکری اور انقلابی تصورات کو جلا بخشی، یوں اُردو نظم کا دامن نئے نئے موضوعات سے بھر گیا۔ ان موضوعات کا تسلسل ترقی پسند شعرا کے ہاں بھی جاری رہا۔ ترقی پسند تحریک کے زیر اثر بھوک، سیاست، تمدن اور استحصال جیسے موضوعات بھی نظم کے دامن کو وسیع کرنے میں معاون ثابت ہوئے ۔۔۔ ترقی پسند تحریک کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ادب کو خواص کے حلقوں سے نکال کر عوامی زندگی کا ترجمان بنایا اور ادب کو مزدوروں، کسانوں اور محنت کشوں کی تشنہ تمناؤں اور ادھورے خوابوں کا جائزہ لینے کی طرف راغب کیا۔ ترقی پسند تحریک نے خاص طور پر مزدوروں اور کسانوں کے حق میں آواز بلند کی، بھوک، افلاس اور زندگی کے دوسرے تاریک پہلوؤں کو شاعری کا موضوع بنایا گیا۔ سرمایہ داری اور زمینداری کو ہدف بنایا گیا اور غریب و محکوم کی زندگی اور اس کے مسائل پر خصوصی توجہ دی جانے لگی۔

اس عہد میں جاگیردار، کسانوں اور کاشت کاروں کا استحصال کرتے اور سرمایہ دار مزدور کی محنت سے اپنی تجوریاں بھرنے میں مصروف نظر آتے ہیں جس سے عوامی اور سماجی سطح پر معاشرہ گھٹن کا شکار ہوتا گیا۔ علاوہ ازیں دوسری جنگ عظیم کی تباہی کے اثرات بھی بالواسطہ طور پر ہندوستان میں نظر آتے ہیں جس نے روایتی اور معاشرتی کلچر کو برباد کر کے رکھ دیا، سرمایہ اور دولت ہی ہر ایک کا مطمع نظر بن گئی۔ اس صورت حال کے خلاف شعرا نے ترقی پسندی کا پلیٹ فارم استعمال کیا جس کے جزوی مظاہر آج تک نظر

آتے ہیں۔ اس سارے منظر نامے نے احسان دانش کو شاعری کے لیے وسیع موضوعات سے نوازا۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی گورستان کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"حضرت احسان کی شاعری نے جس زمانہ میں ہوش سنبھالا وہ بین الا قوامی حالات کی پیچیدگی کے ساتھ ساتھ خود ہندوستان کے لیے بہت ہی نازک زمانہ تھا۔ امپر یلزم کی لعنت پورے طور پر مسلط ہے۔انسانوں میں طبقاتی تقسیم پائی جاتی ہے۔ سرمایہ دار مزدور کا خون پی رہا ہے اور غریب مزدور کو تڑپنے اور فریاد کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔اس بحرانی دور میں احسان نغمہ سرائی شروع کرتے ہیں۔ دل فطرتاً بیحد حساس، دماغ روشن اور بیدار قوت بیان خداداد اور ملکہ شعر گوئی فطری اور وہبی بس پھر کمی کس چیز کی تھی۔انھوں نے اس مظلوم و غریب طبقہ کی ترجمانی کو اپنی شاعری کا خاص مشن قرار دیا۔ جس کی ترجمانی کے دعویداریوں تو بہتیرے نوجوان شعرا تھے لیکن ان میں ایسا ایک بھی نہیں تھا جس نے خود مزدور کی سی زندگی گزار کر اس طبقہ کے حقیقی دکھ درد کا تجربہ کیا ہو. نتیجہ یہ ہوا کہ احسان مشہور و معروف ہی شاعر مزدور کے لقب سے ہو گئے اور ان کی شاعری کی شہرت قلیل مدت میں ہی ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پہنچ گئی۔"[4]

احسان دانش نے جب معاشرتی تفاوت کے نتیجے میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات اوران کے اثرات و محاکمات کو نظم کرنا شروع کیا تو اس کے موضوع ہائے سخن فقط نچلے طبقے کی حقیقی عکاسی تک محدود ہو گئے۔ ان میں سے بڑا موضوع سرمایہ داری کے نتیجے میں عام بندے کا استحصال ہے۔ احسان دانش کی دستیاب آٹھ سو کے قریب نظموں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے یعنی قیام پاکستان سے قبل کی نظم اور قیامِ پاکستان کے بعد کی نظم۔ احسان دانش کے شعری مجموعے "درد زندگی"،"نفیر فطرت"، "نوائے کارگر"، "مقامات"، "چراغاں" اور شیرازہ" قیام پاکستان سے قبل شائع ہوئے۔ان مجموعوں میں شامل نظموں کے زیادہ تر موضوعات مزدور، سرمایہ دار، جاگیر دار، کسان، فطرت اور نسائیت پر مشتمل ہیں جبکہ بعد کی مطبوعہ کُتب میں موضوعات تبدیل ہو گئے ہیں۔ ان میں سیاست، قومیت، مذہب، عصری حالات اور حُب الوطنی کی ہمہ گیری زیادہ بھرپور اور واضح نظر آتی ہے۔

ما قبل مذکور ہے کہ کن حالات و واقعات سے گزر کر احسان دانش ایک مزدور کی آواز بنا۔ قیام پاکستان سے قبل متحدہ ہندوستان میں جاگیر دارانہ نظام انتہائی مضبوط بنیادوں پر استوار تھا لہٰذا احسان دانش کا تخاطب کروڑوں محنت کش بن گئے۔ اپنے مضمون "مزدور کلرک کسان اور سپاہی" میں لکھتے ہیں:

"مزدور کلرک اور کسان عمر بھر اپنے خون سے زر خالص اور چربی سے چاندی نکال کر دنیا کو تقسیم کرتے ہیں۔ لیکن دنیا انھیں شکریہ میں سیسہ جیسے الفاظ بھی نہیں دیتی اور اس حق تلفی کے باوجود دنیا میں انصاف، عدل، رحم اور حق العباد جیسے الفاظ لغت میں اپنے اصل معنی میں مستعمل ہیں۔"5

احسان دانش شاعر مزدور تو ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ شاعرِ جمہور بھی ہیں۔ ان کی شاعری میں نعرہ زنی اور جذباتی ہیجان کی بجائے توازن اور تفکر ہے جو انھیں دیگر ترقی پسند شعرا سے ممتاز کرتا ہے۔ سجاد حارث رقم طراز ہیں:

"احسان کی شخصیت میں زر دار و نادار کی تفریق، طبقاتی نظام کے استحصال کا شعور اور غریب مفلوک الحال طبقے کی حمایت اور جانب داری کا احساس کیونکہ کسی سطحی مشاہدہ کی بنا پر نہیں آیا ہے بلکہ یہ گہرے مشاہدات، تجربوں اور زندگی کے مصائب کا راست نتیجہ ہے۔ اس لیے اس نوع کے احساسات نے احسان کے دل و دماغ میں اتنی گہری جڑیں پکڑ لی ہیں کہ جہاں زندگی کا کوئی دل دوز واقعہ عارضی یا ہنگامی طور پر ایک طوفان کی طرح ابھر کر ختم نہیں ہو جاتا جیسا کہ اکثر Agitational شاعروں کے یہاں محسوس ہوتا ہے بلکہ یہ احساس شاعر کی فطرت ثانیہ بن کر اس کی پوری شخصیت اور اس کے تمام جذبات و محسوسات پر محیط ہو گیا ہے۔"6

احسان دانش کی مفلوک الحال طبقے کی عکاسی نے اُسے "شاعرِ مزدور" کے لقب سے سرفراز کیا۔ توقیر طاہر گنگوہی نے "نفیر فطرت" کے پیش لفظ میں صحیح کہا ہے:

"چونکہ احسان خود معماروں کے پاس خشت برداری، چپراس گیری، چوکیداری اور باغبانی کرتا رہا ہے اور اسے سرمایہ داروں کے انسانیت سوز رویوں اور جگر پاش مظالم سے واسطہ پڑتا رہا اس لیے اس کی شاعری خونیں اور دردناک مشاہدوں کے

جابرانہ نظامِ دولت پر فلسفیانہ غور و تعمق کا ایسا عام فہم نتیجہ ہے جو کانوں اور آنکھوں
کی راہ سے دلوں تک اُتر جاتا ہے۔"7

احسان دانش کی شاعری کا موضوع وہ افلاس زدہ طبقہ ہے جو بھوکا اور ننگا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی جھونپڑیوں میں زندگی کے بے رحم تھپیڑوں کی زد میں ہیں، جن میں زندہ ہونے کے باوجود بھی زندگی کی رُمق باقی نہیں۔ یہ طبقہ سماج کے ہاتھوں زندہ در گور ہے۔ ان کی اولادیں اپنے لیے زندگی کی بنیادی ضرورتوں کی بھیک مانگنے پر مجبور ہیں۔ احسان ان لوگوں کی دھڑکنوں کو محسوس کرتے ہیں اور ان کے کرب کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ ان کا لہجہ اس قدر کرب ناک ہے کہ پوری کائنات اس کا کرب محسوس کرتی ہے۔ اپنی مشہور نظم "مزدوروں کا محلہ" میں احسان دانش مفلوک الحال طبقے کی عکاسی یوں کرتے ہیں:

یہ اندھیری رات یہ تاریک و غمگیں جھونپڑے
ان میں پھر زندہ جنازے محنت پیہم سے چُور
میں یہ سمجھوں گا کہ بینائی ٹھکانے لگ گئی
جگمگا سکتا ہے گر ان کو مری آنکھوں کا نور8

احسان نے جس طرح ایک مزدور کے کرب کو محسوس کیا ہے اُس کا احساس اُسے اپنا سب کچھ دان کر کے جو روحانی تسکین حاصل کر سکتا ہے اُس کا اس سے عمدہ اظہار ممکن نہیں۔ایک اور مقام پر یہ احساس شکایت کا انداز اختیار کر جاتا ہے۔ نظم "مسرت" کا ایک بند ملاحظہ ہو:

مفلس کو اذیت ہی اذیت ہے جہاں میں
اربابِ طرب آنکھ اُٹھانے نہیں دیتے
افلاس کی تقدیر کے محتاط فرشتے
اس لفظ کو تحریر میں آنے نہیں دیتے9

احسان کی بعض نظموں میں انقلابی حقیقت نگاری پائی جاتی ہے جیسے انھوں نے اپنی نظم "ہسپتال" میں امیر اور مفلس مریضوں کو موضوع بنایا ہے اور دو طبقوں کے ساتھ ڈاکٹروں کے امتیازی رویے کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں، اس معاشرتی تفریق، ظلم اور استبداد کے خلاف احسان نے انقلابی آواز بلند

کی چوں کہ وہ خود غریب طبقے سے تعلق رکھتے تھے اس لیے اس طبقے کے حالات سے بخوبی آشنا تھے۔ عزیز احمد لکھتے ہیں:

"ان کی ترقی پسندی اکادی ترقی پسندی نہیں لیکن وہ بہت سے اکادی شاعروں سے زیادہ پر خلوص، جان دار اور سچے شاعر ہیں۔ ڈار ئنگ روم میں بیٹھ کے مزدوری کے متعلق شاعری کرنا اور چیز اور مزدوروں میں عمر گزار کے شاعری کرنا دوسری بات۔"10؎

ایک نظم "کتا اور مزدور" میں احسان نہ صرف مزدوروں کی حالتِ زار بیان کرتے ہیں بلکہ سرمایہ داروں کے استحصالی اور ظالمانہ رویوں پر بھی تنقید کرتے ہیں:

کیا یہ اک دھبّا نہیں ہندوستان کی شان پر
یہ مصیبت اور خدا کے لاڈلے انسان پر
کیا ہے اس دار المحن میں آدمیت کا وقار
جب ہے اک مزدور سے بہتر سگِ سرمایہ دار 11؎

احسان دانش کے شعری سرمائے کا بڑا حصہ عام لوگوں کے حالات کی عکاسی پر مشتمل ہے۔ مرزا ادیب احسان دانش کے اس احساس کو جس صداقت سے بیان کرتے ہیں وہ احسان دانش کو معاصر شعرا میں اعلیٰ مقام دینے کے لیے کافی ہے۔ ملاحظہ ہو:

"احسان کو شاعر مزدور کہیے یا شاعرِ جمہور وہ حقیقتاً نچلے طبقے کے شاعر تھے۔ ان معنوں میں کہ اُنہوں نے اپنی شاعری کا بیشتر حصہ پسے ہوئے، گرے ہوئے، نا قابل التفات بھوکے ننگے لوگوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔ وہ ان کے محرم راز تھے۔ ان کے دکھوں سے آشنا تھے۔ ان کے مسائل سمجھتے تھے۔ وہ ان کے سچے ترجمان تھے۔"12؎

مزدورں کی حقیقی عکاسی کے ساتھ ساتھ احسان دانش ان عوامل کو بھی مشقِ سخن بناتے ہیں جن کے باعث یہ طبقہ غریب سے غریب تر ہوتا جاتا ہے۔ ظاہر ہے سرمایہ دار اپنے سرمائے میں اضافے کے لیے اسی طبقے کے رہین منت ہیں لیکن اس طبقے کو غریبی سے نکالنے یا بنیادی سہولیات فراہم کرنے کے باب میں ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔ چوں کہ احسان دانش کا اپنا تعلق ایک غریب گھرانے سے تھا اس لیے ان کے

اپنے حالات کی منظر کشی میں دراصل اس پورے طبقے کی تصویر نظر آتی ہے جو سرمایہ دار اور جاگیر دار کے ظلم کا شکار ہے۔ احسان دانش اس بات پر کُڑھتے ہیں کہ شبانہ روز محنت کے باوجود بھی مزدور کو اس کا حق نہیں ملتا۔ وہ طبقہ جو دن رات محنت کر کے خون پسینہ ایک کرتا ہے وہ بنیادی ضروریات سے بھی محروم ہے اور جو سرمایہ اُس کی محنت کے عوض حاصل ہوتا ہے وہ مالک کے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے۔ وہ ساری زندگی کی بنیادی ضروریات کے حصول میں گزار دیتا ہے اور آخر کار اسی غربت اور افلاس میں جان کی بازی ہار جاتا ہے۔ سجاد حارث رقم طراز ہیں:

> "جس طبقے کی نمائندگی احسان دانش کرتے ہیں وہ محنت کرنے والوں کا طبقہ ہے۔ غریب مفلوک الحال انسانوں کا طبقہ ہے۔ کیونکہ احسان خود محنت کرنے والے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور زندگی میں بھوک، غربت اور افلاس کے تلخ تجربات سے ہمکنار رہ چکے ہیں۔ وہ ایک ایسے طبقاتی نظام میں پیدا ہوئے جہاں انسان انسان پر ظلم و ستم روا رکھتا ہے۔ سرمایہ دار محنت کرنے والوں کا خون چوستا ہے۔ دولت مند انسان غریب اور نادار انسان کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ احسان نے خود اپنی آنکھوں سے اس استحصالی نظام زندگی کے عفریت کا ننگا ناچ اور ننگا روپ دیکھا ہے۔ 13؎

اس ضمن میں نظم "خسیس سرمایہ دار" کا ایک بند دیکھیے:۔

زر دار بہی خواہ، بے زر ہیں معاون
غیروں کے بھلے میں نہ تو اپنوں کے بھلے میں
تھوکا ہے بلندی نے تجھے تلخ سمجھ کر
اٹکا ہوا لقمہ ہے تو پستی کے گلے میں 14؎

احسان دانش نے خیالات سطحی اور داخلی جذبات کے وفور سے نکل کر خارجی زندگی کے سنگین حقائق کی کامیاب تصویر کشی کی۔ وہ غریبوں اور مزدوروں کو اپنے مقدر پر قانع رہنے کی بجائے تدبیر کی راہ سجھاتے ہیں۔ احسان کے خیال میں جاگیر دارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کوئی الٰہیاتی چیزیں نہیں بلکہ سماجی نظام کے ناسور ہیں جن کا خاتمہ ممکن ہے۔ احسان کو اس بات کا یقین ہے کہ اگر ایسا نہ ہوا تو یہ سر زمین بغاوت اور انقلاب کے شعلوں سے تہ و بالا ہو جائے گی۔ احسان کی نظم "الہام سحر" کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

مفلسی رو کر اٹھے گی سر زمین ہند سے
دور ہو جائے گی یہ کالک جبیں ہند سے
ورنہ اک دن ضبط غم سے تنگ آ جائیں گے یہ
جب نہ کھانے کو ملے گا تم کو کھا جائیں گے یہ
ان کی جرات توڑ دیتی ہے طلسمِ انتظام
ہے بغاوت ان کی باندی انقلاب ان کا غلام
مرد آمادہ نہیں ہوتے گدائی کے لیے
ہوتے ہیں پیدا یہ خنجر آزمائی کے لیے 15؎

احسان دانش سرمایہ داروں سے نفرت ضرور کرتے ہیں لیکن اس نفرت میں انھوں نے مارکسزم کا رُخ اختیار نہیں کیا بلکہ خدا پر توکل کرتے دکھائی دیے۔ یہی وجہ ہے کہ احسان نے جن مزدوروں کی تصویر کشی کی ہے وہ سرمایہ داروں کی نگاہِ کرم کی بجائے خدا پر بھروسا رکھتے ہیں اور محنت کو اپنا شعار بناتے ہیں۔ غریب کے لیے یہ مذہبی احساس سخت تقویت کا باعث ہے کہ جس خدا نے اُسے پیدا کیا ہے وہی خُدا اُس کے رزق کا ذمہ دار ہے لیکن یہ شدید احساس سخت محنت کے بعد انتہائی قلیل معاوضے کے ملنے پر ایک غریب میں اس خیال کو بھی جنم دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے دیئے گئے رزق میں سے یہ سرمایہ دار اپنا منافع بڑھانے کے لیے کٹوتی کر رہا ہے۔ چنانچہ وہ محنت کش اس کے خلاف سراپا احتجاج ہو جاتا ہے لیکن اُس کے اس احتجاج کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ بر آمد نہیں ہوتا تو وہ اپنی بھڑاس یوں نکالتا ہے:

مجھ کو پروا نہیں گو صاحب جاگیر ہے تو
میرے اللہ کے قبضے میں ہے اب میری معاش
ہے مری روح کے معبد میں چراغانِ بہشت
ترے باطن پر گراں ہے ترے ایمان کی لاش
مجھ کو احساس ملا ہے تجھے افیونِ طرب
میرا دل شعلہ، شعلہ ذی روح ترا برف کی قاش
میرے آگے کوئی سلطان زمن ہو کہ فقیر
مجھ کو رہتی ہے فقط جوہر ذاتی کی تلاش 16؎

یہ آسانی سے سمجھ میں آنے والا نفسیاتی رویہ ہے کہ جب اُسے محنت کا پورا پھل نہیں ملتا تو وہ کسی نہ کسی صورت میں اپنے اُس معاوضے کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے جس سے غیر اخلاقی، غیر قانونی سفاکیت پر مبنی بے رحمی جنم لیتی ہے۔ مذکوہ بالا لائنیں احسان دانش کے قلم کی سفاکیت کو واضح کر رہی ہیں۔ احسان دانش کو سرمایہ داروں اور جاگیر داروں کے اس معاشی استحصال پر سخت کد تھی۔ اس کا اظہار وہ اپنی نجی محفلوں میں کرتے رہتے تھے۔ اُن کے بیٹے فیضان دانش کے الفاظ ہیں:

"فرمایا کرتے تھے کہ ممکن ہے ان دو طبقوں کے خلاف میرے لاشعور میں رد عمل کار فرما ہو، لیکن مجھے ان سے اصولی اختلاف ہے۔ پیغمبروں کی مخالفت ہمیشہ انہی دو طبقوں سے شروع ہوتی رہی۔ اُنہوں نے اپنے دُنیاوی پندار کی خاطر ایک طرف پیغمبروں کو جھٹلایا اور دوسری طرف اپنے زبردست طبقے کو ان کی ایذارسانی پر مجبور کیا۔ یہ وہ دونوں طبقے ہیں جو قانونِ قدرت کو توڑتے ہیں اور قدرت کا قانون جہاں ٹوٹے گا، وہیں انسانیت مجروح ہو گی۔17ے

حواشی:

1۔ محمد توقیر طاہر گنگوہی "سرباب" مقامات ازاحسان دانش لاہور: مکتبہ دانش، س ن ص15

2۔ محمد توقیر طاہر گنگوہی ،دیباچہ نوائے کارگراز احسان دانش ،لاہور: مکتبہ دانش ، 1944ء، ص10

3۔ تشنہ، ایم نذیر احمد، اردو ادب کاارتقا،لاہور: مکتبہ عالیہ، 1991ء، ص91

4۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی ،مقدمہ گورستان از احسان ،دانش ،لاہور مکتبہ: دانش، س ن، ص62

5۔ احسان دانش، طبقات،لاہور: مکتبہ دانش، 1952ء، ص28

6۔ سجاد حارث، عوامی شاعر اور اس کا فن، لاہور: مقبول اکیڈمی، طبع اول،1959ء، ص88

7۔ محمد توقیر طاہر گنگوہی، نفیر فطرت،کاندھلہ: مکتبہ دانش، س ن ص15،14

8۔ احسان دانش، زخم و مرہم ،لاہور،: مکتبہ دانش، س ن، ص14

9۔ احسان دانش، مقامات،لاہور، مکتبہ دانش، س ن، ص89

10۔ عزیز احمد، ترقی پسند ادب، ملتان: کاروانِ ادب، 1993ء، ص101

11۔ احسان دانش، درد زندگی، لاہور: ذیشان بک ڈپو، 1934ء، ص229

12۔ میرزا ادیب ، مضمون "احسان دانش" لاہور :ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ ،جلد37، شمارہ 5 مئی 1982، ص32

13۔ سجاد حارث، عوامی شاعر اور اس کا فن، ص24

14۔ احسان دانش، مقامات، ص83

15۔ احسان دانش، آتش خاموش، کاندھلہ: مکتبہ دانش، س ن، ص220

16۔ احسان دانش، مقامات، ص84

17۔ فیضان دانش ،ڈاکٹر، مضمون "حضرت دانش کی زندگی کے چند نقوش "، ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ، ص،113،114